الدراسات الاسلامیۃ ،مجمع البحوث الاسلامیۃ، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، اسلام آباد پاکستان، جلد ۴۴،شمارہ ا ،جنوری ۔مارچ ،۲۰۰۹ءص: ۵۔۶۱

۵۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ،شاہ ولی اللہ کے مآخذ: کتب وشخصیات، شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت ،۲۰۱۰ئ ،ص ا۔ ۳، ۸۔ ۱۲، ۶۵۔ ۸۱ وغیرہ

۶۔ قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج ،ص: ۲۵

۷۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے حواشی فتح الرحمن (قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج ، ص ۶۵،۵۹) شاہ ولی اللہ کے مآخذ، حوالہ سابق

۸۔ اس کی روایت احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوشیخ، ابن مردویہ اور حاکم وغیرہ نے کی ہے۔

۹۔ حواشی فتح الرحمن ،ص: ۴۵

۱۰۔ ملاحظہ کیجئے ابوعبداللہ القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت ،۱۹۸۸ء، المجلد ۴، الجزء ۷، ص ۲۱۴۔۲۱۵، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الحدیث القاھرۃ، ۲۰۰۵ئ، ۳/ ۵۷۵۔۵۷۶ ؛ محمد ناصرالدین البانی ،سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ،المکتب الاسلامی بیروت، ا/ ۵۱۶، حدیث نمبر: ۳۴۲

۱۱۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ: رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان دہلی، ۱۹۵۵ء ص ۱۲

۱۲۔ ان سندوں کی استنادی بحث کے سلسلے میں ملاحظہ کیجیے مولانا سید جلال الدین عمری، تجلیات قرآن، مضمون: قرآن مجید کے ماہر صحابۂ کرام، ص ۴۹۷ــ۴۹۸

۱۳۔ خیرالدین الزرکلی ،الاعلام، دار العلم للملا یین بیروت ،۱۹۹۷ئ: ۴/ ۲۵۵

۱۴۔ حواشی فتح الرحمن ،ص: ۳۶، ۴۲، ۵۵

۱۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر، ص: ۱۶، بہ حوالہ سی ۔ اے ۔ اسٹوری (C.A. Story) پرشین لٹریچر ،لندن، ۱۹۵۳ء: ا/ ۴

۱۶۔ حواشی فتح الرحمن ،ص: ۳۶

۱۷۔ مقدمہ فتح الرحمن (قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج، ص:۲۶)

۱۸۔ حوالہ سابق، ص:۲۳

۱۹۔ تفسیر الکشاف کے مفصل مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری، زمخشری کی تفسیر الکشاف۔ ایک تحلیلی جائزہ، شعبۂ دینیات سنی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۰۔ الفوز الکبیر، حوالہ سابق، ص ۵۵

۲۱۔ حواشی فتح الرحمن، ص ۴۵

۲۲۔ محمد حسین الذھبی، التفسیر والمفسرون، مکتبۃ وھبۃ القاھرۃ، ج۱، ص ۲۱۱۔۲۱۶

۲۳۔ حواشی فتح الرحمن، ص ۳۶، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱

۲۴۔ التفسیر والمفسرون، حوالہ سابق، ج۱، ص۲۱۶۔۲۲۰

۲۵۔ حواشی فتح الرحمن، ص ۳۲، ۳۳، ۳۷، ۴۳، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۶

۲۶۔ التفسیر والمفسرون، حوالہ سابق، ج۱، ص ۱۸۰، ۲۳۷۔۲۴۰

۲۷۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون

۲۸۔ حواشی فتح الرحمن میں شاہ صاحب نے نوّے سے زائد مقامات پر جلالین کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے ۶۸ مقامات پر کذافی الجلالین لکھا ہے، بائیس مقامات پر قال المحلّی تحریر کیا ہے اور صرف دو تین جگہوں پر علامہ سیوطی کے نام کی صراحت کی ہے۔

۲۹۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ادارۃ الرشید دیوبند ا / ۲۴۴۔ ۲۸۲

۳۰۔ الفوز الکبیر، حوالہ سابق، ص ۳۲

۳۱۔ حوالہ سابق، ص ۴۸۔۵۰

☆☆☆

بحث ونظر

فتویٰ نویسی کا تاریخی ارتقاء

——— پروفیسر محمد انس حسان

اصطلاحِ شرع میں پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دلیل شرعی کے ذریعے حکمِ الٰہی بتانے کو 'فتویٰ' کہتے ہیں۔[۱] فتویٰ ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی شارع کے نائب کی حیثیت سے دینی معاملات میں لوگوں کی رہ نمائی کرتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر فتویٰ نویسی کے اصول وقواعد کو باقاعدہ فن کی شکل دی گئی۔ اس فن کو 'رسم المفتی' کہتے ہیں۔

مسلم معاشرہ میں فتویٰ نویسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ چوں کہ ایک مسلمان کو دینی اور دنیاوی معاملات میں جدید مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے معاشرہ میں اس کی موجودگی ازبس ضروری ہوجاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دور مبارک سے لے کر اب تک علماء نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا ہے اور اس کے اصول، شرائط اور آداب پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ابن الصلاح کے مطابق افتاء کے لیے مرد ہونا ضروری نہیں، بلکہ عورت بھی فتویٰ دے سکتی ہے۔[۲] چنانچہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ازواج مطہرات فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ شیخ سعید فائز الدخیل نے حضرت عائشہؓ کے تمام فتاویٰ کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔[۳] فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'بدائع الصنائع' کے مولف علامہ علاؤ الدین کاسانی کی اہلیہ فاطمہ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔[۴] ڈاکٹر عمر رضا کحالہ نے 'أعلام النسائ' میں فتویٰ دینے والی عورتوں کی کافی تفصیل فراہم کی ہے۔[۵]

مفتی اور قاضی کو عام طور پر مترادف سمجھا جاتا ہے، لیکن ان میں فرق ہے۔ شیخ وہبۃ الزحیلی کے مطابق مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ: "مفتی اطلاع دینے والا اور قاضی اسے

لازم کرنے والا ہوتا ہے''۔۶؎ چنانچہ مفتی کے فتویٰ کی حیثیت عمومی ہوتی ہے، جب کہ قاضی کا فیصلہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے۔لیکن یہ دونوں خوبیاں ایک شخص میں اکٹھی بھی ہوسکتی ہیں، جیسا کہ عہد صحابہ میں بعض صحابہ فتویٰ بھی دیتے تھے اور قاضی بھی تھے۔

فتاویٰ دراصل مسلم معاشرہ کے معاشی ،سیاسی اور سماجی مسائل کے عکاس ہوتے ہیں۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مخصوص معاشرہ کے لوگ ایک مخصوص وقت اور حالات میں کن مسائل کا شکار تھے؟ معاشرتی تغیرات اور علمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟ ان مسائل کے حل کے لیے اس دور کے اہل علم نے کس نہج پر سوچا اور کن اصولوں کو پیش نظر رکھا؟ نیز ان فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر کتنے اثرات مرتب کیے؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ،امام احمد بن حنبلؒ،علامہ ابن تیمیہؒ اور برصغیر میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ بہت سے علماء کے فتاویٰ انقلابی اور فکری تحریکات کا باعث بنے۔تاہم بعض فتاویٰ مسلم معاشرہ میں فکری انتشار کا باعث بھی بنے اور یہ عمل برصغیر میں مسلمانوں کے زوال کے بعد شروع ہوا۔یہی وجہ ہے کہ بارہ سو سال میں اتنے فتوے نہیں دیے گئے جتنے برصغیر کے دوسو سالہ دور غلامی میں جاری کیے گئے۔ اس دور میں ہمیں فتوؤں میں شدت پسندی نیز مسلکی وسیاسی منافرت کا عنصر واضح طور پر نظر آتا ہے۔

عہدِ نبوی میں فقہ وفتویٰ

نبی کریم ﷺ کے عہد میں فقہ وفتویٰ سے متعلق جملہ امور آپؐ کی ذات سے وابستہ تھے۔طریقہ یہ تھا کہ صحابۂ کرام کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ آپؐ کی طرف رجوع کرتے، کیوں کہ جملہ امور میں آپؐ ہی شارعِ اسلام اور مرجعِ خلائق تھے۔صحابہ کرامؓ ہر اہم مسئلہ میں آپؐ کی جانب متوجہ ہوتے۔ ان سوالات کے جوابات بسا اوقات قرآنی آیات کی صورت میں نازل ہوتے۔اس تعلق سے قرآن کریم نے یَسْتَفْتُوْنَکَ (وہ آپؐ سے فتویٰ پوچھتے ہیں)، یَسْئَلُوْنَکَ (وہ آپؐ سے سوال کرتے ہیں) جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ سترہ مقامات پر آئے ہیں۔ ۷؎

دریافت کیے گئے امور کی وضاحت بھی دراصل آپؐ کے فرضِ منصبی میں شامل تھی۔ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:۴۴)

''آپؐ بیان کردیجیے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے''۔

بعض اوقات صحابہ کرامؓ کے سوالات کے جوابات نبی کریم ﷺ اپنے ارشادات سے بھی دیتے تھے۔ چنانچہ کتبِ حدیث وسیرت میں ان سوالات کے جوابات ملتے ہیں۔ عہدنبویؐ میں تحریری اور زبانی دونوں طرح سے فتویٰ دیا جاتا تھا۔ ۸؎ بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ آپؐ پوچھنے والے سے فرماتے کہ جاؤ، ابوبکرؓ سے پوچھو۔ ۹؎

علماء کرام نے نبی کریم ﷺ کے فتاویٰ کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیۃ نے اپنی کتاب 'إعلام الموقّعین' میں آپؐ کے بارہ سو فتاویٰ کو جمع کیا ہے۔ ۱۰؎ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے 'فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی' میں آپؐ کے کل ایک سو بیس فتاویٰ مع ترجمہ اکٹھے کیے ہیں۔ ۱۱؎ عہدنبویؐ کے ان فتاویٰ پر علامہ ابن قیمؒ نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے فتوے جامع احکام اور فیصلہ کن ارشادات پر محیط ہوتے تھے۔ یقیناً پیروی کے اعتبار سے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ آپؐ کے فتاویٰ کا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے کسی بھی صورت میں ان سے انحراف جائز نہیں''۔ ۱۲؎

آج کل فتویٰ دینے کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ صرف جائز و ناجائز اور حلال وحرام کی صراحت کردینے کا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کا اسلوبِ افتاء اس سے مختلف تھا۔ آپؐ کا قول اگرچہ بہ ذات خود حجت تھا، مگر آپ پیش آمدہ مشکلات کے حل کی وضاحت اور اس کی علّت بھی بتادیتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ محمد شفیق العانی فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے جو فتاویٰ اپنی زندگی میں صادر فرمائے، وہ جامع ترین احکام پر مشتمل تھے۔ وہ فروعی مسائل کے استنباط کے سلسلے میں سرچشمہ کی حیثیت رکھتے ہیں''۔ ۱۳؎

فتویٰ نویسی عہدِ صحابہ میں

نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین کا عہد فتویٰ نویسی کے حوالے سے اہم ہے۔ خلفاء راشدین کے ان احکام، مکاتیب اور فتاویٰ کو پروفیسر خورشید احمد فاروق نے چار الگ الگ مجلدات میں شائع کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں کئی جدید مسائل سامنے آئے جن پر غور وخوض کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس دور میں قرآن وسنت کے علاوہ اجماع اور قیاس کا اضافہ ہوا، اجماع کو منظم شکل دی گئی اور رائے کے استعمال کے لیے فقہی قواعد واصول منضبط ہوئے۔ اس دور میں فتووں کے حوالے سے صحابہ کرامؓ میں اختلاف بھی رونما ہوا۔ مولانا تقی امینی نے صحابہ کرام کے اختلافات کے درج ذیل اسباب بیان فرمائے ہیں:

۱– قرآن کریم کو سمجھنے میں اختلاف

۲– حدیث کی لاعلمی کی وجہ سے اختلاف

۳– حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف

۴– رائے کی وجہ سے اختلاف ۱۴؎

صحابہ کرامؓ کے چار طبقات تھے:

پہلا طبقہ: یہ ان صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے جن سے بہت زیادہ فقہی مسائل منسوب ہیں۔ یہ حضرات خلفاء راشدین ہیں۔

دوسرا طبقہ: یہ متخصّصین کا طبقہ ہے۔ اس کو فقہی حوالے سے بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ شامل ہیں۔

تیسرا طبقہ: یہ مکثّرین کا طبقہ ہے، یعنی جن سے بہت زیادہ اجتہادات اور فتاویٰ منقول ہیں۔

چوتھا طبقہ: یہ مقلّلین کا طبقہ ہے۔ ان لوگوں سے بہت کم فتاویٰ مروی ہیں۔ ۱۵؎

اس دور میں استنباط صرف ان فتووں تک محدود تھا جو وہ لوگ دیتے تھے جن سے کسی

واقعہ کے متعلق سوال کیاجاتا تھا۔ یہ لوگ مسائل کے اثبات اور سوالات کے جوابات میں بہت زیادہ توسّع سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوجاتا اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ جب مسئلہ پیدا ہوجاتا تو اس کے لیے استنباطِ حکم میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبارِ صحابہ سے جو فتوے منقول ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کے حوالے سے علامہ خضری لکھتے ہیں:

"اس دور میں فتاویٰ زیادہ تر زبانی روایت ہوتے رہے۔ لیکن بعض فتاویٰ تحریر میں بھی آئے، جن میں سے بعض تو وہ تھے جو خلفاء راشدین کے سرکاری احکام کی شکل میں قلم بند ہوکر مختلف دیار وامصار کو ارسال ہوتے رہے اور بعض فتاویٰ انفرادی کوششوں سے بھی قلم بند کیے گئے"۱۶؎

صحابہ کرامؓ فتویٰ نویسی میں کمال احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار کم سے کم کرتے تھے۔ ہر مسئلہ قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

فتویٰ نویسی تابعین اور تبع تابعین کے دور میں

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور آتا ہے۔ اس دور میں منصب افتاء اجلّۂ تابعین کے سپرد رہا۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں بھی فتویٰ دیتے تھے۔ مثلاً حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ وغیرہ۔ ۱۷؎ تابعین اور تبع تابعین نے صحابہ کرام کے فقہی افکار اور فتاویٰ کی روشنی میں اس کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دی۔ اسی دور میں صحابہ کرام کے شاگردانِ رشید نے ان کی آراء اور فتاویٰ کو عام کیا اور بہت سے فقہی مکاتب ومسالک وجود میں آئے۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

فقہ حنفی (امام ابوحنیفہؒ، ۸۰ھ ــ ۱۵۰ھ)

فقہ مالکی (امام مالکؒ ۹۳ھ ــ ۱۷۹ھ)

فقہ شافعی	(امام شافعیؒ، ۱۵۰ھ۔۲۰۴ھ)
فقہ حنبلی	(امام احمد بن حنبلؒ، ۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ)
فقہ جعفری	(امام جعفر صادقؒ، ۸۰ھ۔۱۴۸ھ)
فقہ اباضی	(امام عبداللہ بن اباضؒ، م ۸۶ھ)
فقہ ظاہری	(امام داوٗد ظاہریؒ، ۲۰۱ھ۔۲۷۰ھ)
فقہ اوزاعی	(امام اوزاعیؒ، ۸۸ھ۔۱۵۷ھ)

امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ نویسی میں اجتماعی رائے کو ترجیح دی۔ انہوں نے چالیس فقہاء کی ایک مجلس قائم کی جو باہم غور وخوض کے بعد مسئلہ کا حل نکالتی، پھر اس کو لکھ لیا جاتا۔ امام صاحبؒ کی اس مجلس نے بڑی تعداد میں فتاویٰ اکھٹے کیے۔ اس دور میں کوفہ میں تین بڑے فقیہ بھی موجود تھے: سفیان بن سعید ثوریؒ، شریک بن عبداللہ نخعیؒ، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ۔ ان حضرات سے فقہی آراء اور فتاویٰ کے حوالے سے امام صاحب کی علمی نوک جھوک چلتی رہتی تھی۔ ان کے علمی وفکری اختلافات اور دلائل و براہین دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بہ ہر حال امام صاحبؒ کے فقہی افکار میں تنوع اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ ان مسائل پر بھی غور وفکر کرتے اور کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے جو ابھی معرض وجود میں نہ آئے تھے۔

امام مالکؒ بھی حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ ان کی کتاب 'الموطأ' احادیث مبارکہ اور ان کے فقہی افکار کا مجموعہ ہے۔ وہ فتویٰ دینے کے حوالے سے اگر چہ بہت محتاط تھے، مگر ان کے فتاویٰ کا کافی بڑا ذخیرہ محفوظ کرلیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ نے اصول فقہ کے موضوع پر پہلی کتاب 'الرسالة' تحریر کی، نیز اپنے فتاویٰ کو پہلے 'الحجة' اور پھر 'کتاب الام' میں جمع کیا۔ ان کے انتقال سے چار سال قبل کے فتاویٰ ان کی کتاب 'الحجة' میں منقول تھے (جو نایاب ہے)، مگر بعد میں انھوں نے اپنے قدیم فتاویٰ پر غور وفکر کیا اور انہیں 'کتاب الام' کی چار جلدوں میں درج کیا۔ ان کے پہلے فتاویٰ کو 'قول قدیم' اور بعد کے فتاویٰ کو 'قول جدید' کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اگر چہ حدیث میں 'مسند' کی تدوین کی، مگر ان کے فقہی افکار کا بھی ایک بڑا مجموعہ ہے۔ امام صاحب اپنے اقوال وآراء اور فتاویٰ لکھنے کے سخت مخالف تھے،

مگران کے شاگرد حبیش بن سندی نے دو جلدوں میں ان کے فتاویٰ اور مسائل جمع کیے اور ابو بکر خلال نے بھی 'الجامع الکبیر' کی بیس مجلدات میں ان کے مسائل اکٹھے کیے ہیں۔

فتویٰ نویسی اور ائمۂ مجتہدین

ائمہ مجتہدین کے دور میں فتویٰ نویسی کے حوالے سے اجتہاد سے کام لیا جاتا تھا۔مسائل کی کثرت اور سلطنت کی وسعت نے انھیں جدید مسائل پر غور وخوض کرنے پر آمادہ کیا۔اصول فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔اس دور میں قیاس اور استحسان کو ماخذ شریعت قرار دینے پر اختلاف ہوا۔اس کے نتیجے میں اہل الرائے اور اہل الحدیث کے مکاتب وجود میں آئے۔اول الذکر عقل اور قیاس کی بنیاد پر فتویٰ نویسی کرتا تھا، جب کہ موخر الذکر قیاس کے بجائے حدیث کو حجت سمجھتا تھا۔ائمہ مجتہدین کے اس دور میں اگرچہ فقہی اختلافات سامنے آئے، لیکن ان میں اس درجہ شدت نہیں تھی کہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام نہ کیا جائے۔اس دور کی فتویٰ نویسی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جمود وتقلید نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

فتویٰ نویسی بعد کے ادوار میں

ائمہ مجتہدین کے دور کے بعد فتویٰ نویسی کے سلسلے میں جمود وتقلید کا ایک طویل عرصہ ہے۔اس دور میں اجتہاد رک گیا اور علماء ائمہ مجتہدین کے دائروں میں محدود ہو کر رہ گئے۔مفتیان وقت کی علمی سرگرمیاں شروح اور تنقیحات تک محدود ہو کر رہ گئیں۔اس موقع پر اسی دور کے ایک عالم علامہ ابن قیمؒ کہہ اٹھے:

> ''فقہ اسلامی میں بعض ایسی مشکلات، دقتیں اور لاینحل مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو کسی بھی فلسفۂ قانون کے شایان شان نہیں۔'' ۱۸؎

اس جمود وتقلید کو آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ نے توڑا۔انھوں نے تقلید جامد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ان کے فتاویٰ سعودی عرب سے شائع ہو گئے ہیں۔۱۹؎ امام بغویؒ نے اپنے فتاویٰ خود جمع کیے اور ان کی زندگی ہی میں قاضی حسین نے ان سے مزید فتاویٰ حاصل کیے اور ان پر تعلیقات لکھیں۔۲۰؎ علامہ سُبکی نے بھی دو جلدوں میں

فتاویٰ اکٹھے کیے۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے بھی 'الحاوی للفتاوی' کے نام سے اپنے فتاویٰ کتابی شکل میں جمع کیے۔ اس دور کے فتاویٰ میں تجدید و احیائے دین کے مسائل پر غور وخوض ہوا۔ بروکلمان نے تاریخ ادبیاتِ عربی میں تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک کے ایک سو دو (۱۰۲) عربی مجموعہ ہائے فتاوی کی فہرست دی ہے۔۲۱ ؎

بعد ازاں خلافتِ عثمانیہ کے زیر سایہ ایک جامع فقہی کتاب مرتب کی گئی، جس کا نام 'مجلة الاحكام العدلية' رکھا گیا۔ اسے ملکی قانون کے طور پر رائج کیا گیا۔ اس کتاب میں تمام فقہاء کے فقہی افکار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کام کا آغاز ۱۸۵۶ء میں ہوا اور وہ ۱۸۷۶ء میں مکمل ہوا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور اس میں جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ خلافتِ عثمانیہ کا پہلا مدوّن اور کوڈی فائڈ سول لا تھا، جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا۔۲۲ ؎ اس کے بہت دوررس نتائج برآمد ہوئے اور فقہ اسلامی ایک جدید دور میں داخل ہوگئی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ لکھتے ہیں:

> ''جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو 'مجلة الاحكام العدلية' پوری سلطنتِ عثمانیہ کی حدود مشرقی یورپ کے کئی ممالک، ترکی، وسط ایشیا کا کچھ حصہ، عراق، شام، فلسطین، لبنان، الجزائر، لیبیا، تیونس اور جزیرۂ عرب کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک کا زمانہ 'مجلة الاحكام العدلية' کی حکمرانی کا زمانہ تھا۔''۲۳ ؎

انگریز کے نو آبادیاتی نظام نے عرب ممالک کو فقہی قانون سازی پر توجہ دلائی۔ چنانچہ الاستاد عبدالقادر عودہ نے 'التشريع الجنائی الاسلامی' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اسی طرح الاستاد مصطفی احمد الزرقاء نے بھی فقہ اسلامی میں زبردست کام کیا۔ کویت کی وزارة الاوقاف نے 'الموسوعة الفقهية' کے نام سے فقہی انسائیکلوپیڈیا پینتالیس جلدوں میں تیار کیا۔ اس کا اردو ترجمہ 'اسلامک فقہ اکیڈمی' (انڈیا) سے شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرز کا ایک موسوعہ مصر نے بھی شائع کیا ہے، جو دس

جلدوں پر مشتمل ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد اگرچہ 'مجلة الاحکام العدلیة' کا اثر کم ہو گیا، مگر 'فتاویٰ عالمگیری' کے بعد اس جیسا منظم کام دوبارہ نہیں ہوا۔ ۲۴؎

برصغیر ہند میں فتویٰ نویسی

برصغیر میں فتویٰ نویسی کا باقاعدہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ جب اس براعظم میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں اور جگہ جگہ مساجد و مدارس قائم ہوئے تو علمائے کرام نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کو فقہ اسلامی سے خاص دل چسپی تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے 'التفرید فی الفروع' نامی کتاب لکھی، جس میں فقہ شافعی کے تقریباً ساٹھ ہزار مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ ۲۵؎ اسی طرح ظہیر الدین بابر نے بھی اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی تھی۔ ۲۶؎ ان مسلمان بادشاہوں نے درج ذیل کتبِ فتاویٰ میں خصوصی دل چسپی لی اور یہ انہی کی مرہون منت ہیں:

(۱) فتاویٰ فیروز شاہی (۲) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۳) فتاویٰ اکبر شاہی

(۴) فتاویٰ عادل شاہی (۵) فتاویٰ تاتارخانی (۶) فتاویٰ عالم گیری

ان میں سب سے زیادہ شہرت فتاویٰ عالم گیری کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں اورنگ زیب عالم گیر نے مولانا عبداللہ رومی سے اس کا فارسی ترجمہ کروایا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا امیر علی لکھنوی نے 'فتاویٰ ہندیہ' کے نام سے کیا ہے۔ ۲۷؎ باقی فتاویٰ کے بھی اردو تراجم دستیاب ہیں۔

ان فتاویٰ کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک آزاد ریاست میں اجتماعی مفادات اور ملکی قانون کے طور پر مرتب کیے گئے تھے۔ اس کے بعد برصغیر میں انگریزوں کے تسلط نے مسلم پرسنل لا کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں نجی فتوؤں کی بنیادیں بھی مضبوط ہوئیں۔ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری لکھتے ہیں:

> "نجی فتووں کے زیادہ تر مجموعے اس وقت نظر آتے ہیں جب مسلمان دورِ غلامی میں داخل ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل اور بعد میں مختلف زبانوں میں عموماً اور اردو زبان میں خصوصاً اس قسم کے مجموعوں کا پتہ چلتا ہے"۔ ۲۸؎

برصغیر میں پہلا معلوم دار الافتاء مفتی رضا علی خان (۱۸۰۹۔۱۸۶۹ئ) نے ۱۸۳۱ء میں بریلی (اتر پردیش) میں قائم کیا۔۲۹؎ اسی طرح مفتی رحیم بخش (۱۸۳۴۔۱۸۹۲ئ) نے ۱۸۶۲ء میں جامع مسجد فتح پوری (دہلی) میں دارالافتاء قائم کیا۔۳۰؎ ۱۸۸۷ء میں دارالعلوم انجمن نعمانیہ (لاہور) میں دارالافتاء کی بنیاد رکھی گئی۔۳۱؎ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیو بند قائم کیا گیا۔ اگرچہ یہاں پر فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۸۷۶ء میں ہوچکا تھا، لیکن ۱۸۹۲ء میں باقاعدہ طور پر دار الافتاء قائم کیا گیا۔۳۲؎ نومبر ۱۹۱۱ء سے اپریل ۲۰۱۴ء تک اس دار الافتاء سے سات لاکھ سے زائد فتاویٰ جاری ہوچکے ہیں۔ ۳۳؎

فتاویٰ کے اہم مجموعے

برصغیر پاک وہند میں جو فتاویٰ مرتب ہوئے وہ اکثر حنفی علماء کے ہیں، اگرچہ جنوبی ہندوستان میں اس حوالے سے شافعی علماء نے بھی کام کیا ہے، مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ برصغیر میں پہلا شخصی مجموعۂ فتاویٰ کس کا شائع ہوا؟ تاہم ذیل میں برصغیر کے چند ابتدائی مجموعہ ہائے فتاویٰ کی فہرست درج کی جاتی ہے:

(۱) فتاویٰ عزیزی: اس کے مؤلف شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۶۔۱۸۲۴ئ) ہیں۔ ایک جلد اور چار سو سڑسٹھ (۴۶۷) صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ پہلی مرتبہ ۱۳۱۳ھ میں مطبع کنز العلوم (حیدرآباد دکن) سے شائع ہوا۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد پیدا ہونے والے مسائل کا پہلی مرتبہ بڑی تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ: اس کے مؤلف مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۸۴۸۔۱۸۸۶ئ) ہیں۔ یہ مجموعہ تین جلدوں، ایک ہزار ایک سو اٹھائیس (۱۱۲۸) صفحات اور ایک ہزار پچاسی (۱۰۸۵) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ پاکستان سے پہلی مرتبہ اسے ۱۹۸۴ء میں ایچ۔ ایم سعید کمپنی (کراچی) نے طبع کیا ہے۔

(۳) جامع الفتاویٰ: اس کے مؤلف عبدالفتاح حسینی نقوی (۱۸۱۹۔۱۸۸۳ئ)

ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد اور تین سو پندرہ (٣١٥) صفحات پر مشتمل ہے۔ ١٨٨٨ء میں مطبع فتح الکریم (بمبئی) سے طبع ہوا۔

(٤) فتاویٰ مسعودی: اس کے مؤلف مسعود شاہ دہلوی (١٨٣٤-١٨٩٢ئ) ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد، چھ سو چالیس (٦٤٠) صفحات اور ایک سو ساٹھ (١٦٠) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔١٩٨٧ء میں پہلی مرتبہ سرہند پبلی کیشنز (کراچی) سے طبع ہوا۔

(٥) فتاویٰ رشیدیہ: اس کے مؤلف مولانا رشید احمد گنگوہی (١٨٢٩-١٩٠٥ئ) ہیں۔ اس مجموعے میں ١٨٨٠ء سے ١٩٠٥ء تک کے تقریباً گیارہ سو (١١٠٠) فتاویٰ شامل ہیں۔مولانا گنگوہی کے کئی گم شدہ فتاویٰ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے دریافت کیے ہیں، جو الگ سے شائع ہو چکے ہیں۔

(٦) فتاویٰ ارشادیہ: اس کے مؤلف ارشاد حسین رام پوری (١٨٣١-١٨٩٣ئ) ہیں۔ یہ مجموعہ دو جلدوں، تین سو چوبیس (٣٢٤) صفحات اور دو سو تینتیس (٢٣٣) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔الیکٹرک پریس (آگرہ) سے ١٩٢٨ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوا۔

(٧) فتاویٰ محبوبیہ: اس کے مؤلف احمد حسین خان امروہوی ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد اور تین سو ساٹھ (٣٦٠) صفحات پر مشتمل ہے۔ ١٨٩٨ء میں مطبع فخر نظام (حیدرآباد دکن) سے طبع ہوا۔

(٨) فتاویٰ قادریہ: یہ مجموعہ ایک جلد، ایک سو ستر (١٧٠) صفحات اور علمائے لدھیانہ (بالخصوص مولانا عبدالقادر لدھیانوی) کے پچھتر (٧٥) متفرق فتاویٰ پر مشتمل ہے، جو ١٨٨٤ء سے ١٨٩١ء کے دوران جاری کیے گئے۔پہلی مرتبہ ١٩٠١ء میں مطبع قیصر (لدھیانہ) سے طبع ہوا۔اس مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف کفر کا پہلا تفصیلی فتویٰ موجود ہے۔

(٩) فتاویٰ عثمانی: اس کے مؤلف مظہر الحق انصاری ہیں۔یہ مجموعہ ایک جلد اور سات سو پچاس (٧٥٠) صفحات پر مشتمل ہے۔١٩٢٢ء میں پہلی مرتبہ حیدرآباد دکن سے طبع ہوا۔

(١٠) فتاویٰ عثمانی: اس کے مؤلف سید منور الدین ہیں۔یہ مجموعہ پانچ جلدوں، ایک ہزار چھیاسی (١٠٨٦) صفحات اور آٹھ سو تین (٨٠٣) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔گاندھی گارڈن (کراچی) سے ١٩٤٩ء میں پہلی مرتبہ میں طبع ہوا۔

اس دور کے تمام فتاویٰ کا جائزہ پیش نظر نہیں، کیوں کہ یہ بڑی تفصیل کا متقاضی ہے۔ تاہم ان کے علاوہ بھی بے شمار کتب فتاویٰ مطبوعہ وغیر مطبوعہ موجود ہیں، جن کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ ۳۴ یہ تمام فتاویٰ دراصل انیسویں اور بیسویں صدی کی علمی وفکری تحریکات، فسادات، مسلم معاشرت، سائنسی اور صنعتی انقلابات اور انگریزی ثقافت کے اثرات کا بہترین مطالعہ ہیں۔ ان فتاویٰ میں برصغیر کے مناظرانہ ادب کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

اس دور کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کے بارے میں درج ذیل باتیں کہی جا سکتی ہیں:

۱– قرآن وحدیث سے کم اور فقہی کتب کے ثانوی مآخذ سے زیادہ استفادہ کیا جاتا ہے۔

۲– عبارت بلاترجمہ دی جاتی ہے جو مستفتی کے لیے قطعی اجنبی اور غیر مانوس ہوتی ہے۔

۳– جدید مسائل کے حوالے سے عموماً لاعلمی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

۴– زبان اور اسلوب کے حوالے سے بھی قدیم فتاویٰ کی پیروی کی جاتی ہے۔

۵– اپنے خیالات کے مطابق فتویٰ دینے کے بجائے اپنے پیش رووں کے فتاویٰ پر زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔

اجتماعی فتویٰ کے معاصر ادارے

عثمانی سلطنت کا زوال مغرب کے عسکری وسیاسی غلبے اور نوآبادیاتی دور کے آغاز کے ساتھ ہوا۔ اس دور میں برصغیر اور دیگر کئی ممالک نوآبادیاتی نظام کے زیر تسلط آئے۔ سامراجی طاقتوں نے ان ممالک میں اپنے ملک کے قوانین پبلک لا کے طور پر رائج کیے۔ تاہم شخصی اور عائلی زندگی میں مسلمان پرسنل لا کی پابندی کرتے رہے۔ اس طرح کم از کم عائلی زندگی کی حد تک ان کا تعلق اسلامی قانون سے قائم رہا۔ یہ کام اس دور کے اصحابِ افتاء نے انجام دیا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوا اور مسلم ممالک کو آزادی حاصل ہوئی تو انھوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے ملکی قوانین کا جائزہ لیں۔ اس حوالے سے درج ذیل ادارے وجود میں آئے:

(۱) اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)

(۲) ادارہ تحقیقات اسلامی (پاکستان)